برصغیر کے چند مشہور صوفیا کرام کا تصورِ اقامتِ دین اور ان کی عملی جدوجہد

Concept of Islamisation and struggle for it: perspective of some famous Sufis of Sub-continent

Dr. Sajjad Ahmed
Assistant Professor Institute of Islamic Studies
Mirpur university of science and technology Mirpur AJK
Email: sajjad.iis@must.edu.pk

Ghulam Mustafa
PhD Scholar Department of Fiqh and Sharia
The Islamia University of Bahawalpur
Email: minqilabi123@gmail.com

Inayat ur Rahman
PhD Scholar Department of Islamic Thought and Civilization
School of Social Sciences and Humanities (SSH)
University of Management and Technology
Email: inayatbary@gmail.com

Abstract

When Islam spread, it entered the sub-continent as well. Like other regions, there were no personalities to promote Islam, but here Islam reached through one of the events. Those who accepted Islam, accepted it wholeheartedly. With the passage of time, Islam They got personalities and Islam became popular. Sufis played an important role in these personalities.

The Sufis were the practical and theoretical people of the subcontinent, who themselves were characterized by knowledge and practice and they worked regularly to spread it.

On the one hand, they established their monasteries and schools as anchors, and on the other hand, they provided financial support to the graduates of these schools and sent them to settle in different areas. Every Sufi taught the Da'wah of religion to the rulers and made them do religious work. With the supervision and cooperation of the government, many non-Muslims also became Muslims.

The concern of the Sufis was that due to the establishment of religion, evils continued to end in society. Due to the reduction of personal evils, social and collective evils died. Even sometimes non-Muslims expressed fear that their territories would now be conquered.

Keywords: mystics, thought of religion, da'wat, government

برصغیر کے صوفیائے کرام کے مناھج درس، دعوت و تبلیغ کا نتیجہ یہ تھا کہ دین کو پھیلایا جائے۔ دین کو قائم کیا جائے۔ اس کے لیے انہوں نے زندگی کے تمام طبقات کے لوگوں میں کام کیا۔ صوفیائے کرام کے مروجہ مناھج کو مد نظر رکھ بڑی خلا محسوس ہوتی ہے۔ درس گاہیں اور خانقاہیں بنیادی طور پر صوفیائے کرام کی فکر کو پھیلانے کا اہم ذریعہ سمجھیں جاتیں ہیں۔ جب یہیں سے شرک و خرافات اور بدی پھیلنے لگی تو برصغیر کے صوفیائے کرام نے درس گاہوں اور خانگاہوں کو کیسے دین اور نیکی کے کاموں کے لیے استعمال کیا۔

یہ دو متضاد رویے ہیں۔ ان کے درمیان بہت بڑا فرق ہے۔ اس فرق کو ظاہر کرنے کے لیے برصغیر کے صوفیائے کرام کے کاموں کا مطالعہ کیا جائے گا۔ تاکہ خلا اور فرق کو واضح محسوس کیا جاسکے۔

برصغیر میں اسلام کی نشر واشاعت حقیقتاً اُن لاتعداد اولیا کرام اور صوفیا کرام کی مرہون منت ہے جنہوں نے اس عظیم مقصد کے لیے اپنی زندگیاں قربان کردی تھیں۔ دین اسلام اور اس کے عقائد و روایات کو برقرار رکھنے کے لیے صوفیا نے بنیادی کردار ادا کیا۔ انہوں نے نہ صرف عزم وہمت کے ساتھ اسلام کی باطنی روح کو برقرار رکھنے کے لیے کوشش کی بلکہ ہزارہا انسانوں کو اسلام کی آغوش میں داخل کرنے کا فریضہ بھی سرانجام دیا۔ کہا جاتا ہے کہ غالباً سندھ میں توسیع اسلام ابتدائی دور کا نہیں بلکہ بعد کا واقعہ ہے۔ اگرچہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان روابط و تعلقات استوار ہونے کی وجہ سے زمین تیار ہوگئی تھی تاہم بیشتر علاقے میں تخم ریزی بعد میں ہوئی۔ فتح سندھ سے لے کر حضرت خواجہ اجمیریؒ کی آمد تک اشاعت اسلام کی رفتار اس سرزمین میں بڑی سست رہی مگر اس کے بعد یکایک اس میں مستعدی اور جوش وخروش دیکھنے میں آیا کہ پچھلی سست رفتاری کی بھی تلافی ہوگئی۔ یہ بات بالکل درست ہے کہ برصغیر میں اسلام کی اشاعت زیادہ تر صوفیا کرام کی کاوشوں کا نتیجہ ہے لیکن صوفیا کا طریقہ کار دور حاضر کے مبلغوں سے بالکل مختلف رہا۔ ان کی دعوت کا محور صرف غیر مسلموں میں اشاعت اسلام تک محدود نہیں تھا بلکہ اُن کے دروازے مسلم اور غیر مسلم سب کے لیے کھلے رہتے تھے اور اُن کا کام بلا تفریق اسلام کی دعوت تھی اُن بزرگوں کو ایک ہندو کے قبول اسلام سے جتنی خوشی ہوتی تھی اس سے زیادہ خوشی ایک مسلمان کے ترک گناہ سے ہوتی تھی۔ یعنی صوفیا کرام کا مقصد اولین صرف اسلام کی اشاعت نہیں بلکہ حقیقی اسلام کی توسیع تھا(1)۔

یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ برصغیر پاک وہند میں صوفیا کرام کے ذریعے جس قدر اسلام کی اشاعت ہوئی شاید وہ مسلمان اُمرا اور حکمرانوں سے نہ ہوسکی۔ صوفیا کرام نے اس سلسلے میں کسی قسم کے جبر سے کام نہیں لیا بلکہ وسعت نظری اور رواداری کا مظاہرہ کرتے رہے۔ انہوں نے اپنے حسن اخلاق اور خلوص اور محبت سے لوگوں کو متاثر کیا اور اُن کو اسلام کی طرف دعوت دی۔ اس طرح انہوں نے ابلاغ دین کا فریضہ بڑی خوبی سے اور احسن

طریقے سے انجام دیا۔ صوفیا کرام نے دعوت دین کے حوالے سے ایسا طریقہ کار اپنایا کہ عوام الناس سے براہ راست رابطہ قائم کیا۔ اُن کی زبان سیکھ کر اُنہی کی زبان میں انہیں دعوت دی۔

اشاعت دین اور صوفیا کرام کے مقاصد:

1۔ برصغیر کے لوگوں کو اسلام کی تعلیمات سے روشناس کرانا۔

2۔ لوگوں کی اصلاح وتربیت کا خصوصی اہتمام کرنا کہ دین ودنیا کی بھلای کا حصول ممکن ہو۔

3۔ عوام کی فلاح وبہبود کے لیے کوشش کرنا۔

اس مقصد کے حصول کے لیے انہوں نے ظلم، جبر اور استحصال کا مقابلہ کیا۔ بادشاہوں اور اُمرا سے تعلقات کا اہتمام کیا تاکہ اُن کو ظلم وجبر سے باز رکھا جائے اور انہیں شریعت کی پابندی پر آمادہ کیا جائے۔ وہ اپنے مقصد میں کامیاب رہے اور اس سرزمین میں مسلمان اکثریت میں ہوگئے۔

4۔ روحانی تربیت کے ساتھ ساتھ مالی تعاون کا اہتمام کرنا؛ صوفیا کرام نے اس سلسلے میں نہ صرف دینی اور روحانی تربیت کا اہتمام کیا بلکہ انھوں نے لوگوں کی دنیاوی بھلائی کے لیے مالی تعاون بھی کیا۔

5۔ شریعت کی پابندی: آج کل بعض نام نہاد صوفیا کے طرز عمل سے یہ تاثر قائم کرنا غلط ہے کہ اس دور کے صوفیا بھی شریعت کی پابندی کو ضروری نہیں سمجھتے تھے بلکہ برصغیر کے تمام صوفیا کرام مختلف اسلوب اور انداز سے صوفیانہ تعلیم کا عملی درس دیتے تھے۔ خود بھی شریعت کے پابند تھے اور دوسروں کو بھی شریعت کی مکمل پابندی کی تلقین کرتے تھے۔ وہ دینی علوم پر پوری دسترس رکھتے تھے اور لوگوں کو روحانی فیض دلانے کے ساتھ ساتھ اپنی خانقاہوں میں درس کا خصوصی اہتمام بھی کرتے تھے۔

6۔ اخلاق حسنہ کی ترویج: لوگوں کے اندر اخلاق حمیدہ کے اوصاف کو پروان چڑھانے کے لیے انہوں نے تعلیم وتربیت کا خصوصی انتظام کرر کھا تھا۔ اُن بزرگوں کے ہی ذریعے سے لوگوں کے مختلف طبقوں میں اخوت، مساوات، رواداری، صلح جوئی، امن پسندی وغیرہ خوبیاں بیدار ہوگیں اور ایک صحت مند معاشرہ وجود میں آگیا۔ امن وسلامتی کی فضا پروان چڑھی اور حکمرانوں کے ظلم وزیادتی میں نرمی پیدا ہوئی۔

7۔ عزیمت کا مظاہرہ: صوفیا کرام نے اشاعت دین کے سلسلے میں دعوت وعزیمت کا راستہ اختیار کیا۔ حکمرانوں اور امرا کی پرواہ کیے بغیر ڈنکے کی چوٹ پر حق بات کہہ دیتے تھے۔ نہ صرف عوام کو حق اور سچ کی طرف بلاتے تھے بلکہ حکمرانوں کو بھی ان کی غلطیوں سے آگاہ کرتے تھے۔

۸۔سیاسی بصیرت کا مظاہرہ: اگرچہ بعض صوفیا بادشاہوں کے درباروں میں جانے سے گریز کرتے رہے تاہم بعض نے بادشاہوں کی اصلاح کرنے، مسلمانوں کی سیاسی، اخلاقی، معاشی اور معاشرتی حالت درست رکھنے اور دین اسلام کی دعوت و تبلیغ کے لیے میدان سیاست میں عملی قدم رکھا اور بادشاہوں اور امرا کے ساتھ تعلقات کا سلسلہ منقطع نہیں کیا بلکہ مسلسل ان کی اصلاح پر توجہ دی۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ سلاطین کی اصلاح ممکن ہوئی۔ اور انہوں نے شرعی قوانین نافذ کیے۔ تبلیغ اسلام کے لیے راہ ہموار ہوگئی اور کئی غیر مسلم قبیلوں نے اسلام قبول کیا[(2)]۔

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ سلطنت و حکومت کے ہنگاموں سے الگ تھلگ غیر مسلموں کو مسلمان کرنا اور مسلمانوں کو اپنے عقائد و اعمال میں پختہ کرنے کے لیے صوفیا کرام نہایت خاموشی کے ساتھ مصروف کار تھے۔ یہ حضرات ایک طرف روحانی ریاضتوں اور باطنی اعمال و افعال کے ذریعہ مسلمانوں کے تزکیہ نفس کا کام کرتے تھے اور دوسری طرف ملک ملک کی خاک چھان کر اسلام کا پیغام دوسروں تک پہنچانے کا فریضہ بھی سرانجام دیتے تھے۔ اس بات پر تاریخ شاہد ہے کہ ہندوستان، افریقہ، چین، الجزائر، شرق الہند وغیرہ تمام مقامات پر اسلام کی اشاعت بڑی حد تک صوفیا کرام کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔ برصغیر پاک و ہند کے اندر دیکھا جائے تو حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ نے راجپوتانہ میں، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ اور سلطان نظام الدین اولیانے دہلی میں اور اس کے اطراف واکناف میں اور شیخ علی ہجویریؒ وغیرہ نے پنجاب میں اسلام کا جو چراغ روشن کیا تھا اسی کا صدقہ ہے کہ آج یہاں مسلمانوں کی تعداد کروڑہا سے زیادہ ہو چکی ہے[(3)]۔

سلاطین دہلی کے دور میں دعوت وعزیمت کے ساتھ اولیا کرام کی خدمات:

معین الدین چشتی اجمیری:

معین الدین چشتی اجمیری کی ہندوستان تشریف آوری سے پہلے چراغ توحید ہندوستان میں روشن ہو چکا تھا۔ لیکن اس کی روشنی مدہم تھی۔ شرک و بت پرستی کا تسلط اور غلبہ تھا۔ اسلام اور مسلمانوں کو فنا کر دینے میں ہندوستان کے تمام راجے متفق تھے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور توحید کا اقرار بہت بڑا جرم تصور کیا جاتا تھا۔ جس طرح محمود غزنوی کی سیاسی فتح کی تکمیل اور اسلامی سلطنت کے استحکام و استقلال کی سعادت سلطان شہاب الدین غوری کے لیے مقدر تھی اسی طرح اسلام کی عمومی اشاعت اور اسلامی مرکز رشد و ہدایت کا قیام خواجہ معین الدین اجمیری کے لیے مقدر ہو چکا تھا۔ خواجہ معین الدین اجمیری کا مقصد دولت کا حصول اور راحت کی زندگی بسر کرنا نہیں تھا۔ آپ کا مشن مخلوق خدا کی ہدایت اور دین حق کی سربلندی تھا۔ اس لیے آپ نے لاہور اور پنجاب کے کسی دوسرے شہر کے مقابلے

میں صوبہ راجپوتانہ کے شہر اجمیر کو ترجیح دی جو کہ اس وقت کے متعصب راجہ رائے پتھورا کا پایہ تخت تھا۔ قدیم تر مؤرخین کا بیان ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری، سلطان شہاب الدین غوری کے اس لشکر میں شامل تھا جس نے اجمیر کے راجہ رائے پتھورا کو شکست دے کر ہندوستان کی فتح کی تکمیل کی[4]۔

آپ کے روحانی کمالات میں بہت زیادہ اثر تھا۔ مسلمانوں کے علاوہ ہندو بھی آپ کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ آپ کے دربار فیض میں ہر وقت لوگوں کا ہجوم رہتا تھا۔ آپ نے دعوت دین کا کام باقاعدگی سے اور منظم انداز میں آگے بڑھایا اور فی الواقع اسلام کی جڑیں آپ ہی نے ہندوستان میں مضبوط کیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض تذکرہ نگار آپ کو ہندوستان کا پہلا مبلغ اعظم اور داعی کہتے ہیں۔ راجہ پرتھوی اجمیر میں آپ کے قیام کو ہرگز برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں تھا اور آپ کے قیام میں بڑی رکاوٹیں ڈالنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن آپ نے پورے عزم و استقلال کے ساتھ رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا اور آپ کی تبلیغ اور تعلیم کے نتیجے میں لوگ مسلمان ہونے لگے۔ کفر کا اندھیرا چھٹنے لگا، گمراہیوں کا خاتمہ ہونے لگا، اونچ نیچ اور ذات پاک کی تفریق و تمیز کے تمام معیارات ختم ہونے لگے اور انسان اپنے شرف و احترام سے روشناس ہوا۔ پورا ہندوستان اسلام کے نور سے منور ہوا اور ایک صالح اور صحت مند معاشرہ وجود میں آیا۔ حضرت خواجہ اجمیری نے اسلام کے نظریہ توحید کو عملی شکل میں پیش کیا۔ اس وجہ سے ایک زبردست دینی، سماجی اور اقتصادی انقلاب رونما ہوا[5]۔

اجمیر کے راجہ رائے پتھورا نے دیکھا کہ لوگ پروانوں کی طرح آپ کے قدموں میں گر رہے ہیں تو آپ کی آتش غضب بھڑک اٹھی۔ انھوں نے معین الدین اجمیری کو جلاوطن کرنے کا ارادہ کیا۔ لیکن راجہ کا ارادہ اس وقت خاک میں مل گیا جب ان حالات میں سلطان شہاب الدین غوری نے اجمیر پر حملہ کیا۔ رائے پتھورا کو بھرپور جنگی تیاری اور بہت سے راجاوؤں کی حمایت کے باوجود بدترین شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ اس معرکے میں دہلی کا راجہ ''کھانڈے راؤ'' دوسرے راجاوؤں کے ساتھ میدان جنگ میں مارا گیا۔ رائے پتھورا میدان جنگ سے بھاگنے کی ناکام کوشش میں گرفتار ہوا اور سلطان کے دربار میں اس کے قتل کا حکم صادر ہوا۔ یہ سب کچھ خواجہ معین الدین چشتی کی تبلیغی کوششوں اور دعاؤں کا نتیجہ تھا۔ الغرض برصغیر پاک و ہند میں خواجہ معین الدین چشتی اجمیری نے اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ [6]''اے نبیؐ، اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت و حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ بلاو'' کو بنیاد بنا کر دعوت دین کا سلسلہ جاری رکھا اور آپ نے جو بیج اجمیر کے اندر رہتے ہوئے بویا وہ اس طرح پھلا پھولا کہ تمام ملک میں اس کی شاخیں پھیل گیں اور سلسلہ چشتیہ اور اس کی مختلف شاخیں برصغیر پاک و ہند میں کثرت سے اس وقت بھی موجود ہیں[7]۔

معین الدین چشتیؒ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے برصغیر پاک وہند میں تبلیغ حق کا کام نہایت باقاعدگی اور منظم طریقے سے آگے بڑھایا۔ آپ کو ہندوستان میں اسلام کا پہلا داعی کہا جاتا ہے خواجہ صاحب نے نہایت نامساعد حالات میں تبلیغی مساعی کا آغاز کر دیا تھا۔ اس وقت ہندوستان میں اسلامی حکومت کا قیام عمل میں نہیں آیا تھا۔ جب مسلمانوں کو ہندوستان کے اندر سیاسی اقتدار ملا تو آپ کے دعوتی کام کو اور بھی تقویت ملی۔ چند سالوں کے اندر لاکھوں بندگان خدا دارہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ خواجہ صاحب کی ہندوستان تشریف آوری کا بنیادی مقصد اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی تھی۔ آپ اقامت دین کی جدوجہد میں عملی طور پر حصہ لینا چاہتے تھے اس لیے آپ نے اجمیر کو اپنا مستقر بنایا، جو سیاسی اور مذہبی لحاظ سے اس وقت ساری دنیائے ہنود کا مرکز تھا۔ کفر و شرک کے اس مرکز میں رہتے ہوئے آپ نے ظالم وجابر راجہ رائے پتھورا کا مقابلہ کیا اگرچہ رائے پتھورا کو سلطان شہاب الدین غوری کے ہاتھوں شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ تاہم ان مشکل حالات میں آپ کی تبلیغی مساعی کی بدولت اللہ اور اس کے رسولؐ کی تعلیمات کی صدائیں ہر طرف گونجنے لگیں۔ اور اجمیر اسلام کا ایک عظیم الشان مرکز بن گیا۔ اجمیر میں حضرت خواجہؒ کی مدت قیام تقریباً پچاس برس بتائی گئی ہے[8]۔

خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی دعوتی و تبلیغی خدمات:

خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ چھٹی صدی ہجری کے وسط میں ماوراالنہر کے ایک قصبہ اوش میں پیدا ہوئے۔ آپ کا اسم گرامی بختیار اور لقب قطب الدین تھا۔ عام لوگوں میں خواجہ کاکی کے نام سے مشہور ہوئے۔ ڈیڑھ سال کی عمر میں یتیم ہو گئے۔ والدہ ماجدہ نے نہایت شفقت و محبت سے آپ کی پرورش کی۔ مولانا ابو حفص اوشی کی تعلیم و تربیت میں رہتے ہوئے ریاضت و مجاہدات کے اعلیٰ مرتبے پر فائز ہوئے۔ کہتے ہیں کہ خواجہ بختیار کاکی ایک پیر کامل کی جستجو میں سرگرداں تھے۔ اس لیے انہوں نے سفر کرتے کرتے آخر کار بغداد پہنچے جہاں اسے معین الدین چشتی اجمیری کے ہاتھوں بیعت کا شرف نصیب ہوا۔ آپ نے مختلف ملکوں کی سیاحت بھی کی۔ اس سفر کے دوران بہت سے اولیا کرام سے ملاقات کا شرف بھی حاصل رہا۔ آخر کار جب آپ کو معلوم ہوا کہ آپ کا مرشد معین الدین چشتی بغداد کو چھوڑ کر ہندوستان چلے گئے ہیں آپ نے بھی ہندوستان کی طرف رخت سفر باندھا اور چلتے چلتے آخر کار ملتان پہنچے۔ جہاں آپ نے مشہور بزرگ بہاؤالدین زکریا ملتانی کے ہاں قیام کیا۔ اس کے بعد دہلی کی طرف روانہ ہوئے جہاں پر سلطان التمش نے آپ کا شاندار استقبال کیا اور آپ سے دہلی کے اندر قیام کرنے کی درخواست کی۔ بختیار کاکی کو یہ بات پسند آئی کہ دارالخلافہ کے اندر رہتے ہوئے دعوت و تبلیغ کا کام سرانجام دیا جائے۔ بادشاہ وقت سلطان

التمش کی بے حد عقیدت واحترام کے باوجود آپ نے دربار شاہی سے تعلق رکھنا گوارانہ کیا بلکہ ایک مسجد میں درویشانہ زندگی گزارنے کو ترجیح دی۔ خواجہ کاکیؒ نے عام لوگوں کی رشد واصلاح کے ساتھ ساتھ بادشاہ وقت سلطان التمش کے ساتھ بھی تعلق جاری رکھا اور اس تعلق کی بنیاد پر بادشاہ آپ کا بہت زیادہ عقیدت مند ہو گیا۔ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر آپ نے بادشاہ کو رعایا، پروری خدمت خلق اور فقیروں، غریبوں اور درویشوں کے ساتھ ہمدردی کرنے کی تلقین کرتے رہے آپ کی کوششوں ہی کا نتیجہ تھا کہ سلطان التمش کو صاحب شرع فرماں رواکے طور پر یاد کیا جاتا ہے[9]۔

آپ کے وصال کے بارے میں ایک واقعہ مشہور ہے کہ آپ نے یہ وصیت فرمائی تھی کہ میری نماز جنازہ وہ شخص پڑھائے گا جس نے کبھی حرام کے لئے کمر بند نہ کھولا ہو اور نہ نماز عصر کی سنت اور نہ کبھی تکبیر اولیٰ جماعت کی فوت کی ہو چنانچہ یہ سن کر سکتہ کا عالم طاری ہو گیا۔ لوگ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ آخر کار سلطان التمش نے آگے بڑھ کر نماز جنازہ پڑھائی اور فرمایا کہ میرا دل چاہتا تھا کہ کسی کو بھی میرے حال کا پتہ نہ ہو لیکن شیخ نے جاتے جاتے اس کا اظہار فرمایا۔ اس واقعہ کو مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اپنے ملفوظات میں بیان کیا ہے[10]۔

شیخ فرید الدین گنج شکر کی دعوتی اور تبلیغی خدمات:

بابا فرید نے برصغیر پاک وہند کی تاریخ کے ایک قابل ذکر دور میں زندگی گزاری ہے۔ انہوں نے پنجاب میں خاندان غزنویہ کا خاتمہ دیکھا، غوری فوجوں کے ہاتھوں راجپوتوں کی شکست فاش کا مشاہدہ کیا۔ شمالی ہندوستان میں ترکوں کا تسلط ان کے سامنے ہوا۔ انہوں نے مغل لشکروں کو ہندوستان کا دروازہ کھٹکھٹاتے دیکھا۔ انہوں نے وسط ایشیا سے مہاجرین کے قافلوں کو آتے دیکھا۔ جب ان کی عمر تیس برس تھی تو شہاب الدین غوری کو قتل کیا گیا اور جب آپ نوے سال کے تھے تو بلبن تخت نشین ہوا۔ اس طرح ہندوستان کی سیاسی افراتفری اور بے چینی کے دوران میں ان کی زندگی کی کہانی ہندوستان کی روحانی تاریخ کا ایک نہایت اہم پہلو ہے۔ ان سخت ترین شورش میں بابا فریدؒ پورے اطمینان اور دل جمعی کے ساتھ پنجاب کے ایک دور افتادہ مقام میں بیٹھے دعوت و تبلیغ کا کام کر رہے تھے۔ آج دیکھا جائے تو شہاب الدین غوری کی کامیابیاں ماضی کی کہانیاں بن کر رہ گئی ہیں جبکہ بابا فریدؒ کا پیغام اب بھی لوگوں کے دلوں میں زندہ ہے۔ بابا فریدؒ کا مقصد ایک ایسے معاشرے کا قیام تھا جو اختلافات، تنازعات، نفرت اور حسد سے پاک ہو۔ وہ محبت، اتحاد اور رواداری میں انسانی مسرت کا راز پوشیدہ سمجھتے تھے آپ کے بارے میں ایک واقعہ مشہور ہے کہ ایک مرتبہ کسی نے انہیں قینچی پیش کی آپ نے لینے سے انکار کیا اور کہا مجھے قینچی کی بجائے سوئی دو کیونکہ میں سینا چاہتا ہوں، کاٹنا نہیں چاہتا[11]۔

بابا فرید صرف صوفی نہیں تھے بلکہ اپنے زمانے کے بہت بڑے عالم تبحر تھے۔ مطالعہ قرآن سے انہیں خاص شغف اور ذوق حاصل تھا۔ آپ کے رشد وہدایت سے نہ صرف مسلمان، مسلمان بنے بلکہ غیر مسلموں کی بہت بڑی تعداد مشرف بہ اسلام ہوئی۔ حضرت بابا فرید صاحب برصغیر پاک وہند کے پہلے مسلمان صوفی ہیں جن کے مسلمانوں کے علاوہ ہندو مفکروں سے بھی اچھے روابط تھے۔ اجودھن کے قیام کے ابتدائی زمانے میں ایک ہندو جوگی بشمبر ناتھ سے مکالمہ ہوا۔ وہ بابا فریدؒ کے کشف و کرامت سے متاثر ہو کر اپنے چیلوں سمیت مسلمان ہوا۔ اشاعت اسلام کے سلسلے میں جتنی کامیابی بابا فریدؒ کو ہوئی ہے شاید کسی دوسرے کو حاصل ہوئی ہو۔ مغربی پنجاب کے کئی بڑے بڑے قبیلے ان کے ہاتھوں مسلمان ہوئے جن میں سیال، راجپوت اور راٹھور شامل تھے۔ آپ نے دیکھا کہ مسلمان حکمران اسلام کی تعلیمات سے دور ہوتے جارہے ہیں اور مادیت میں پھنسے جارہے ہیں۔ آپ نے خود بھی سلاطین اور حاکموں سے تعلق کو ختم کیا تھا اور اپنے مریدوں کو بھی ان سے دور رہنے کی ہدایت کی تھی۔ آپ نے اپنے مریدوں کے لے یہ لازم کیا ہوا تھا کہ وہ قرآن وسنت پر سختی سے عمل کریں۔ اسوہ رسولؐ اور صحابہؓ کے عمل کی روشنی میں قدم اٹھائیں اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں دن رات صرف کریں۔ بابا فریدؒ نے انسانیت کو گناہ اور توہم پرستی کی دلدل سے نکالنے کے لئے پختہ عزم کیا ہوا تھا۔ بابا فریدؒ ایک ایسا معاشرتی نظام قائم کرنا چاہتے تھے جہاں امیر وغریب کے ساتھ یکساں سلوک روا رکھا جائے۔ بلبن کے دور حکومت میں انسانوں کے مابین خوفناک امتیازات پیدا ہو گئے تھے۔ ترکی امرا کو ہر قسم کی سہولیات میسر تھیں جبکہ غربا کو روزی کمانے کے لے خون پسینہ ایک کرنا پڑتا تھا۔ سلطان سے ملاقات کرنا لوگوں کے لے دشوار تھا اس کے مقابلے میں باباصاحب کی خانقاہ میں سب کے ساتھ یکساں سلوک ہوتا تھا۔ ہر ایک کو اس کا حصہ مساوی طور پر ملتا تھا۔ ہر وقت عقیدت مند پروانوں کی طرح آپ کے گرد جمع ہوتے تھے ۔ امیر وغریب کو ان کے یہاں کوئی امتیاز نہ تھا۔ ہر آنے والا برسوں کے آشنا کے طور پر آپ سے ملتا تھا۔ غیاث الدین بلبن پر آپ کی تعلیمات کا بہت اثر ہوا۔ وہ اپنی تمام غلطیوں سے تاب ہو کر شریعت کی پابندی کرنے لگا، عدل و انصاف کے قیام میں کسی کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کی۔ خلق خدا کی خدمت کے لئے اہم کام کئے اور اشاعت اسلام کے لے اہم خدمات انجام دیں الغرض حضرت بابا فریدؒ اور دوسرے صوفیا کرام نے نہ صرف عام لوگوں کی اصلاح کی بلکہ حکمران طبقہ پر بھی اپنی پوری توجہ مرکوز کی اور ان کی زندگی کا رخ ہی بدل دیا۔ اس طرح امن وسلامتی قائم ہو ئی۔ شریعت کی پابندی کی وجہ سے ایک صالح معاشرہ قائم ہوا اور عام لوگ نے ظالموں، شریروں اور استحصالی قوتوں کی زیادتیوں سے نجات حاصل کی[12]۔ فرید الدین گنج شکر کی تعلیمات کے بہت دوررس نتائج اور ہمہ گیر اثرات

مرتب ہوئے جس نے بعد میں ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے دو قومی نظریے کی بنیاد پر ایک آزاد وطن کا مطالبہ کرنے کے قابل بنایا۔

شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی:

آپ کا پورا نام بہاؤالدین زکریا اور والد کا نام وجیہہ الدین تھا۔ خاندانی اعتبار سے آپ قریشی تھے۔ آپ کی کنیت ابو محمد اور ابو البرکات ہے۔ آپ 566ھ کو ملتان کے ایک قصبے کوٹ کروڑ میں پیدا ہوئے۔ شیخ بہاؤالدین زکریا نے ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی آپ نے دو سالوں میں قرآن پاک حفظ کیا اور آپ قرآن کریم کی سات قرأتوں کے بھی ماہر تھے۔ آپ نے تحصیل علم کے لئے کئی ملکوں کا سفر کیا۔ شیخ بہاؤالدین زکریا جس وقت ہندوستان میں واپس تشریف لائے تو اس وقت کوٹ کروڑ کے علاقے پر سلطان شہاب الدین غوری کا قبضہ تھا۔ آپ نے واپس آکر ملتان میں قیام کیا۔ اس وقت ملتان میں ہندوؤں کا ایک بہت بڑا مندر تھا۔ آپ نے لوگوں کی اصلاح و احوال کے لے مندر کے سامنے اپنی خانقاہ بنائی۔ آپ اپنی خانقاہ میں بڑی استغراقی کیفیت میں عبادت و ریاضت میں مصروف رہتے تھے۔ بہاؤالدین زکریا کی خانقاہ اپنے دور کی بہت بڑی یونیورسٹی شمار ہوتی تھی۔ اس خانقاہ میں عبادت کا فریضہ انجام دینے کے ساتھ ساتھ لوگوں کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا جاتا تھا۔ آپ کے قائم کردہ اس مدرسے میں دور دراز کے طلبا دینی علم سیکھتے تھے اس مدرسے سے علما، قاری اور حفاظ پیدا ہوتے تھے۔ آپ کے مدرسے سے فارغ شدہ طلبا دنیا کے مختلف گوشوں میں جا کر دعوت دین کا کام سر انجام دیتے تھے۔ اس مدرسے کا سارا انتظام آپ خود اپنے ہاتھوں سے چلاتے تھے۔ مدرسے کا نصاب مروجہ درس نظامی تھا اس میں قراء کرام، حفاظ کرام اور علما کرام کے تزکیہ نفس کا بھی بھرپور انتظام موجود تھا۔ شیخ بہاؤالدین زکریا خود صاحب ثروت شخص تھے۔ اس لیے آپ اپنے ذاتی خزانہ سے پانچ ہزار اشرفی ہر ایک مبلغ کو دے کر اشاعت دین کی غرض سے انہیں مختلف علاقوں میں تشکیل کرتے تھے۔ آپ دعوت دین کا کام دو طریقوں سے انجام دیتے تھے۔ ایک طریقہ یہ تھا کہ جو لوگ آپ کی خانقاہ میں آتے تھے آپ انہیں ارشاد و نصیحت اور وعظ فرماتے تھے۔ دوسرا طریقہ آپ نے یہ اختیار کیا کہ آپ اپنے مدرسے سے پڑھے ہوئے طلبا کو مختلف علاقوں میں متعین کر دیتے تھے۔ جو ان علاقوں کے رسوم و رواج کے مطابق تبلیغ کا فریضہ انجام دیتے تھے۔ آپ اس مہم میں دعوت و تبلیغ کے ساتھ تجارت کا بھی خصوصی اہتمام کرتے تھے۔ آپ کی تعلیمات بھی دوسرے صوفیا سے مختلف تھی۔ آپ شریعت کی پابندی پر خصوصی زور دیتے تھے۔ دعوت و تبلیغ کے ساتھ آپ مستحکم معیشت کے بھی حامی تھے۔ تمام صوفیا میں دنیاوی اعتبار سے بھی امیر ترین ولی اللہ اور صوفی ہونے کا

شرف آپ کو حاصل تھا۔ شیخ محمد اکرام اپنی کتاب آب کوثر میں انوار غوثیہ کا حوالہ دے کر لکھتے ہیں کہ شیخ صاحب کے وعظ و نصیحت سے متاثر ہو کر سندھ، ملتان اور لاہور کے بہت سے غیر مسلم تاجروں نے بھی اسلام قبول کیا تھا۔ اس کے علاوہ حضرت صاحب نے مخلوق خدا کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے زراعت اور تجارت کے کام کو بھی فروغ دیا۔ ملتان کے ارد گرد موجود جنگلات کو آباد کرایا اور نہریں بنوئی تاکہ معاشی طور پر مسلمانوں کو مستحکم کیا جاسکے اور اس کے ذریعے سے اسلام کی دعوت کو عام کیا جاسکے[13]۔

اگر بہاؤالدین زکریا ملتانی کی دعوت دین کے حوالے سے خدمات کا جائزہ لیا جائے تو آپ نے ملتان کو اپنی تبلیغی کوششوں کا مرکز بنایا تھا جو کہ اس وقت کے حکمرانوں کا پایہ تخت تھا۔ گویا آپ نے حکمرانوں سے براہ راست ٹکر لینے کا عزم کیا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ ملتان میں موجود ہندوؤں کے مندر کے بالمقابل اپنی خانقاہ قائم کر کے ہندوؤں کے غلط رسوم وعقائد کو براہ راست چیلنج کیا تھا۔ دین اسلام کی اشاعت کے لئے آپ نے جس مقام کا انتخاب فرمایا تھا۔ بہت جلد اس کے اچھے نتائج نمودار ہونا شروع ہو گئے۔ آپ کے وعظ میں مسلمانوں کے علاوہ بتوں کے پجاریوں کو بھی شرکت کرنے کا موقع میسر آجاتا تھا اور وہ آپ کے وعظ ونصیحت کے نتیجے میں اسلام قبول کرتے تھے۔ آپ نے اپنی خانقاہ کے اندر ایک لنگر کا بھی انتظام کر رکھا تھا جہاں بلا تفریق ہر ایک کو استفادہ کرنے کا موقع میسر تھا۔ گویا آپ نے دعوت دین کے لئے زبانی دعوت و تبلیغ کا راستہ اختیار کرنے کے علاوہ لوگوں کے ساتھ مالی امداد کر کے ان کے دل جیتنے کی کوشش کرتے تھے تاکہ ان کے دلوں میں اسلامی تعلیمات کا بیج بویا جاسکے۔ آپ کی دعوت و تبلیغ کا یہی نتیجہ تھا کہ لوگ کفر سے ایمان کی طرف، معصیت سے اطاعت کی طرف اور نفسانیت سے روحانیت کی طرف مائل ہوتے تھے۔

آپ کے دعوتی پہلو کا ایک عنصر یہ بھی تھا کہ آپ نے مختلف اطراف میں اپنے خلفا مقرر کئے تھے جو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ بطریقہ احسن سرانجام دیتے تھے۔ ان تمام باتوں سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ آپ نے بڑے وسیع و عریض علاقے میں اسلام کی اشاعت کا ایک روشن باب رقم کرنے کی عظیم کوشش کی ہے اور آپ ہی نے سہروردی سلسلہ کی نشر واشاعت اور ترویج کو برصغیر پاک وہند کے اندر ترقی دی ہے[14]۔

صوفیا کرام کا تصور اقامت دین:

محمود غزنوی کے حملوں سے پہلے شمالی ہند میں مسلمانون کی تعداد اگرچہ کم تھی تاہم بعض صوفیا نے اپنی تبلیغی سرگرمیاں جاری رکھی ہوئی تھیں۔ ان کی دعوت و تبلیغ اگرچہ دینی مدارس کی طرز پر نہیں تھی تاہم دین کے بنیادی

عقاید کی تعلیمات وہ اپنے انداز میں لوگوں تک پہنچاتے تھے۔ یہ دور ہندوستان مین صوفیا کے ورود سے پہلے کا ہے۔ قران وحدیث کی تفصیلات و تشریحات کتابی شکل میں بھی رائج نہیں ہوئیں تھیں۔پاک وہند سے باہر ایران، سمرقند، بخارا، اور عرب و عراق کے علاقوں میں جن صوفیانے دعوت و تبلیغ کا سلسلہ شروع کرر کھا تھا۔ ان کے پیروکاروں نے جب برصغیر کارخ کیاتواپنے سلسلے کی تعلیمات بھی اپنے ساتھ لے آئے۔ محمود غزنوی کے لشکر میں بھی ایسے افراد شامل تھے جو دعوت و تبلیغ میں تصوف کا رنگ رکھتے تھے۔ ان لوگوں کی کاوشوں سے ابتدائی بنیادی تعلیمات پاک وہند کے مغربی حصوں میں ظاہر ہوناشروع ہوگئی تھیں۔ محمود غزنوی کے ساتھ ایسی علمی شخصیات بھی موجود تھیں جو یہاں کے مذھبی لوگوں سے گفتگو کر سکتی تھیں۔شہاب الدین غوری کے حملے سے پہلے بعض صوفیااس علاقے میں آکر آباد ہوگئے تھے۔ جن میں خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کانام سرفرست ہے۔

پاک وہند کے صوفیاکی سرگرمیوں کاہدف اگرچہ تذکیہ نفس تھالیکن انھوں نے حکومت کے امرااور وزراکو زیر اثرلاکران پر اسلامی تعلیمات کارنگ چڑھایاجس کے نتیجے میں دربار کی مجموعی فضااسلامی تعلیمات سے باہر نہیں جاسکی۔ چنانچہ سلطان محمود غزنوی، غوری، تغلق اور دیگر حکمرانوں کے دربار کے اکثر اُمرااپنے وقت کے صوفیاکے زیر اثر رہے۔ ان اُمرانے صوفیاکرام سے فیض پاکر حکمرانون کو کبائرکے ارتکاب سے بازرکھا۔اگرچہ دربار میں تخت شاہی کے حصول کے لیے آمیزش ہوتی رہی تاہم معاشرتی اور سماجی سطح پر مجموعی لحاظ سے دین اسلام کی پیروی ہوتی رہی۔

اقامت دین کاجو تصور آج ہمارے ذہنوں میں ہے یہ حکومت الہیہ کے قیام سے وابستہ ہے۔ اس کے لیے زمام کارہاتھ میں لیناضروری ہے۔ لیکن پاک وہند کے صوفیانے میدان جنگ میں نکل کر باطل کو للکارنے کی بجائے دعوت و تزکیہ کے ذریعے لوگوں کی ذہن سازی کی۔ صدیوں سے یہی تصور اہل علم کے سامنے رہا۔ان لوگوں کے مقاصد، اہداف اور مطمع نظر کے حساب سے میدان جنگ کی جدوجہد ایک ایسی سرگرمی تھی جس کے لیے انہوں نے مسلمان حکمرانوں کوموزوں سمجھا۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ اصل مقصد دینی تعلیمات کی دعوت و تبلیغ ہے۔اس مقصد کے حصول کے لیے انھوں نے کرسی واقتدار حاصل کرنے کی بجائےکرسی نشیں حکمرانوں کوزیر اثرلانامناسب سمجھا۔ شاید یہ حکمت عملی صدیوں کی کشمکش کے بعد اختیار کی گئی۔ یہ کشمکش میدان کربلاسے شروع ہوئی اوراسی کشمکش کے نتیجے میں داعیان حق کوطرح طرح کی اذیتوں اور آزمائشوں سے گزرناپڑا۔ دعوت حق کی اس مہم میں امام ابو حنیفہؒ اور امام ابن تیمیہؒ کاجنازہ جیل کے اندر سے نکلااور امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کو کوڑے لگائے گئے اور دعوت وعزیمت کایہ سلسلہ تاہنوز جاری ہے۔

حضرت مجد دالف ثانی کی کوششیں اورنگ زیب عالم گیر کے اسلامی تشخص پر منتج ہوئیں۔اور شاہ ولی اللہ نے برصغیر میں اسلام کے استحکام اور اسلامی سلطنت کی بقا کے لیے اخری کوشش کی۔الغرض صوفیا کا تصور اقامت دین حکومت الہیہ کے قیام کی بجائے اپنے دور کے اُمراءو وزراء کو زیر اثر لا کر دربار حکومت کو اسلامی تعلیمات کے رنگ چڑھانے تک محدود رہا۔اور وہ اس جدوجہد میں بڑی حد تک کامیاب بھی ہوگئے اور بہت سے اُمراءووزراء یہاں تک کہ سلطانِ وقت نے بھی ان کی مریدی کو قابل فخر سمجھا۔ہندوؤں کی ایک بہت بڑی جماعت صوفیائے کرام اوراسلامی پیشواؤں کی گرویدہ ہے[(15)]۔

برصغیر میں صوفیائے کرام کی دینی خدمات کا خلاصہ:

مولانامودودیؒ برصغیر میں صوفیائے کرام کی تبلیغی سرگرمیوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ برصغیر میں اولیاءوصوفیاءنے جس بے نظیر استقلال اور دینی حمیت کے ساتھ اسلام کی روشنیوں کو پھیلایا ہے۔وہ ہمارے آج کل کے حضرات متصوفین کے لئے اپنے اندرایک عمیق درس عبرت رکھتاہے۔یہاں کے مبلغین اسلام میں سب سے بڑانام حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ کاہے۔ جن کی برکت سے راجپوتانہ میں اسلام کی اشاعت ہوئی ۔اور جن کے بالواسطہ اوربلاواسطہ مریدین برصغیر کے کونے کونے میں شمع ہدایت لے کر پھیل گئے۔حضرت قطب الدین بختیارکاکی نے دہلی کے اطراف میں حضرت فریدالدین گنج علاقہ پنجاب میں حضرت نظام الدین نے دہلی، حضرت شیخ برہان الدینؒ اور شیخ زین الدینؒ اور حضرت نظام الدین نے ملک دکن میں اور شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی نے دہلی میں دعوت دین اور تبلیغ اسلام کی خدمات انجام دیں۔

پنجاب میں سب سے پہلے اسلامی مبلغ سیداسماعیل بخاری تھے۔جوپانچویں صدی ہجری میں لاہور تشریف لائے تھے۔ان کی دعوت وتبلیغ کااتنااثر تھا کہ لوگ ان کے ارشادات سننے کے لئے جمع ہوتے تھے۔جو شخص ایک مرتبہ ان کاوعظ سنتاتھاوہ اسلام لائے بغیرنہیں رہ سکتا تھا۔مغربی پنجاب میں بہاؤدین زکریاملتانی،علاقہ بہاولپوراور مشرقی سندھ میں حضرت سید جلال الدین بخاریؒ کے فیضان تعلیم سے معرفت حق کی روشنی پھیلی۔ان کی اولادمیں حضرت مخدوم جہانیاںؒ نےپنجاب کے بیسیوں قبائل کو مسلمان کیا۔اس کے علاوہ ایک اوربزرگ حضرت سیدصدرالدینؒ اوران کے صاحبزادے حضرت حسن کبیرالدین بھی پنجاب کے بڑے بڑے مبلغین میں شمار ہوتے تھے۔ان کی صحبت میں ایک عجیب اثر تھا کہ اسلام کی عظمت وصداقت کانقش اسے دیکھتے ہی مرتسم ہوجاتاتھا۔سندھ میں اشاعت اسلام کازمانہ وہ تھاجب چھ سوسال پہلے حضرت سید یوسف الدینؒ وہاں تشریف

لائے اوران کے فیض اثر سے سات سو خاندانوں نے اسلام قبول کیا۔ گجرات میں حضرت امام شاہ پیرانوی اور ملک عبدالطیفؒ کی مساعی سے اسلام کی اشاعت ہوئی بنگال میں سب سے پہلے شیخ جلال الدین تبریزی نے اس مقدس فریضے کو انجام دیا۔ آسام میں حضرت شیخ جلال الدین فارسی نے اس فریضے کو نبھایا۔ کشمیر میں اسلام کا جھنڈا سب سے پہلے بلبل شاہ نامی ایک درویش نے بلند کیا۔ جس کی فیض صحبت سے وہاں کا راجہ مسلمان ہوگیا۔ ساتویں صدی عیسوی میں سید علی ہمدانی سات سو سیدوں کے ساتھی وہاں تشریف لائے اور تمام خطہ کشمیر میں نور عرفان کو پھیلایا شاہ فریدالدینؒ کے ہاتھوں کشتوار کا راجہ مسلمان ہوا۔ دھارواڑ کے لوگوں میں اسلام کی اشاعت حضرت شیخ ہاشم گجراتی کی طرف منسوب کی جاتی ہے ۔ مدراس میں جن بزرگوں کی وجہ سے اسلام کا نور پھیلا ان میں سب سے زیادہ مشہور سید شاہ سید ابراھیم شہید اور شاہ الحامد ہیں۔ حضرات صوفیائے کرام کی انہی دعوتی اور تبلیغی سرگرمیوں کے نتیجے میں برصغیر پاک وہند کے اندر اس طرح پھلنے پھولنے کا موقع ملا کہ ان کی دعوت و تبلیغ کا اثر آج بھی موجود ہے۔

حوالہ جات

1. محمد اکرام، شیخ، ڈاکٹر، آب کوثر، فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور 1971، ص:190

1. Muhammad Akram, Sheikh, Doctor, August Kawthar, Fairouz Sons of Death, Lahore 1971, p: 190

2. عبدالمجید سندھی، ڈاکٹر، پاکستان میں صوفیانہ تحریکیں، سنگ میل پبلشرز لاہور، 1994، ص:17

2. Abdul Majeed Sindhi, Doctor, Pakistan Maid Sophia Tarekeen, Singh Mail Publishers Lahore, 1994, p: 17

3. اکبر آبادی، سعید احمد، مولانا، صاحب، مسلمانوں کا عروج وزوال، مکتبہ رشیدیہ کراچی، 1947، ص:326

3. Akbarabadi, Saeed Ahmed, Maulana, Sahib, Musliman, Kaarouj and Zuwal, Rashidiyya Karachi Library, 1947, p: 326

4. ندوی، ابوالحسن علی، سید، مولانا، تاریخ دعوت وعزیمت، مجلس نشریات اسلام کراچی، 1976، جلد سوم، ص:25

4. Nadwi, Abul-Hassan Ali, Sayyid, Mawlana, History of Da`wah and Azim, Majlis Islam Karachi Publishers, 1976, Jilda Su M, p: 25

5. سندھی، عبدالمجید، ڈاکٹر، پاکستان میں صوفیانہ تحریکیں، سنگ میل پبلشرز لاہور، 1994، ص:225

5. Sindhi, Abdul Majeed, Doctor, Pakistan Maid Sofia Tarekid, Singh Mail Publishers, Lahore, 1994, p: 225

6. النحل۔125:16

6. An-Nahl 16:125

.7 محمد اکرام، شیخ، آب کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، 1975، ص:192

7. Muhammad Ikram, Sheikh, Ab Kawthar, Islamic Culture Department, Lahore, 1975, p: 192

.8 طالب ہاشمی، تذکرہ خواجہ اجمیریؒ، ندیم یونس پرنٹرز لاہور، 1994، ص:108

8. Talib Hashemi, Remembering Khawaja Ajmeri, Nadeem Younis Parents, Lahore, 1994, p: 108

.9 سندھی، عبدالمجید، ڈاکٹر، پاکستان میں صوفیانہ تحریکیں، ص232

9. Sindhi, Abdul Majeed, Doctor, Pakistan by Sophia Tarekeen, p. 232

.10 المدنی، محمد زکریا، المہاجر، مولانا، تاریخ مشائخ چشت، مکتبۃ الشیخ کراچی، 1349ھ، ص179

10. Al-Madani, Muhammad Zakaria, Al-Muhajir, Mawlana, The History of the Sheiks of Chisht, Sheikh Karachi's Office, 1349 AH, p. 179

.11 جامعی، نصیر احمد، بابا فرید گنج شکر، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، 1970، ص۹

11. Jami, Naseer Ahmed, Baba Farid Ganj Shekar, Song Mail, Public Kitchens, Lahore, 1970, pg.

.12 سندھی، عبدالمجید، ڈاکٹر، پاکستان میں صوفیانہ تحریکیں، ص237

12. Sindhi, Abdul-Majid, Doctor, Pakistan by Sophia Tarekin, p. 237

.13 محمد اکرام، شیخ، آب کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، 1975، ص256

13. Muhammad Ikram, Sheikh, Abu Kawthar, Islamic Culture Department, Lahore, 1975, pg. 256

.14 محمد سعید، ڈاکٹر، پروفیسر، تاریخ سہروردیہ، گیلانی پرنٹرز کراچی، 2001، ص257

14. Muhammad Saeed, Doctor, Professor, History of Sahrwardih, Gilani Publishers Karachi, 2001, pg. 257

.15 عاصم نعمانی، تصوف اور تعمیر سیرت، مولانا مودودی کی تحریروں کی روشنی میں، اسلامک پبلیکشنز لاہور، ۱۹۷۲ء، ص۹۸۔

15. Asim Nomani, The Sufism of Ortamir Sirt, Maulana Modudi Ki Tahrir, Ki Roshni Meen, Islam Publications, Lahor, 1972-, p. 98.